© rasailojaraid.com

ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہاں پوری

مکاتیب شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ

حضرت شیخ الہند علیہ الرحمۃ کے آثار علمیہ کی تلاش اور ان کی تدوین کی طرف ابھی تک کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ بعض رسائل میں آپ کے کلام کی اشاعت کا پتہ چلتا ہے اور بعض خطوط کی نشاندہی بھی ہوتی ہے جو حضرت نے اپنے اعزہ اور مخلصین کو تحریر فرمائے تھے۔ لیکن وہ ابھی تک اہل علم کی نظروں سے پوشیدہ ہیں اور نہیں کہا جاسکتا کہ وہ محفوظ بھی ہیں۔

حضرت میاں سید اصغر حسینؒ نے ایک زمانے میں توجہ فرمائی تھی اور ان کی کوششوں سے "کلیات شیخ الہندؒ" کے نام سے منظومات کا ایک مختصر مجموعہ مرتب ہوگیا تھا لیکن تمام کلام مہیا نہیں ہوسکا تھا۔

اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ خود حضرت شیخ الہند کو شاعری کا کوئی خاص شوق نہ تھا اور کلام کے جمع و تحفظ کی فکر نہ فرمائی۔ کسی خاص تحریک سے وقتی جوش کی بنا پر جو کچھ کہا وہ نسیاً منسیاً ہوگیا۔ حضرت کے دائرہ خاص میں بھی علمی ذوق رکھنے والا اور حضرت کے کلام کا واقعی اندازہ شناس کوئی شخص نہ تھا۔ جو کلام کی قدر و قیمت کو سمجھتا اور محفوظ کرتا جاتا۔ اس بات کا نتیجہ ہے کہ حضرت کا بہت تھوڑا کلام آج علمی دنیا کے سامنے ہے۔

خطوط کا حال بھی اس سے مختلف نہیں۔ صدہا خطوط تو حضرت نے سفرِ حجاز اور اسارتِ مالٹا کے زمانے میں لکھے ہوں گے اور اس سے پہلے زندگی کا جو طویل دور گزرا تھا، کیسے سمجھ لیا جائے کہ حضرت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نے اس دور میں کسی کو خط نہیں لکھا۔ مالٹا سے رہائی اور وطن واپسی کے بعد بھی مراسلت کے ذریعے ایک دنیا سے آپ کا تعلق رہا۔ بلاشبہ یہ دور بہت مختصر ہے اور وہ بھی ملالت سے پُر رہا اور خواہ اس دور میں حضرت کی مکتوب نگاری کو کتنا ہی مختصر سمجھ لیا لیکن یہ مختصر ذخیرہ بھی صرف چند خطوط تو نہیں ہو سکتے۔ آپ کے پورے دورِ حیات کے لحاظ سے آپ کے خطوط کی تعداد ہزاروں سے متجاوز ہونی چاہیے۔ لیکن میاں اصغر حسین کی کوششوں کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ انھیں صرف آٹھ خطوط دستیاب ہوئے تھے۔ ایک خط ان کے اپنے نام تھا۔ ان کے ذوقِ علمی نے گوارا نہ کیا کہ ان خطوط کو چھپا کر رکھا جائے اور نہ ہی یہ خیال ان کے دل میں پیدا ہوا کہ ان خطوط کا ایک چند ورقہ کیا چھاپا جائے انھوں نے ان آٹھ خطوط ہی کو چھاپ دیا۔ لیکن ان کے انکسار کا عالم بھی یہ تھا کہ اپنے نام حضرت کا خط اس مجموعے میں شامل نہیں کیا۔ اس قسم کا انکسار سماجی زندگی میں بلاشبہ ایک بیش قیمت سرمایہ ہے اور عام اخلاقیات کی ایک متاعِ بے بہا ہے۔ لیکن علم و تاریخ کو اس سے فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ بلکہ یہ چیز غارت گرِ سرمایۂ تاریخ ہے۔

اب کہ ایک مدت کے بعد خاکسار نے اس امر کا عزم کیا اور متعدد حضرات کی کوششوں کے نتائج کو مجتمع کیا تو خطوط کی تعداد ڈھائی درجن سے متجاوز نہ ہو سکی۔ پھر کیا یقین کر لیا جائے کہ حضرت کے ذوقِ مکتوب نگاری سے دنیائے علم و ادب و تاریخ کی خدمت میں بس یہی چند خطوط تھے۔

آخر اس کی کیا وجہ ہے؟ دنیائے ادب و تاریخ کو حضرت کے افادات علمیہ سے محرومی کا یہ تلخ جام کیوں پینا پڑا؟ اس کی مختلف وجوہ ہیں:

۱۔ ہمارے بزرگوں نے اپنے فکر و عمل سے تاریخ سازی کا کارنامہ تو ضرور انجام دیا لیکن ان کے اخلاص و ایثار کا یہ عالم تھا کہ اُسے انھوں نے اپنے کارناموں میں شمار نہیں کیا۔ انھوں نے تاریخ سازی کی تھی۔ تاریخ نگاری کا کام دوسروں کے لیے چھوڑ دیا۔

۲۔ ان کی للّٰہیت کا یہ عالم تھا کہ اخلاص فی العمل کے مآل کے ضیاع کے اندیشے سے اپنی خدمات کو چھپایا۔ اور ان پر ہمیشہ پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے۔

۳۔ سب سے اہم بات یہ ہے کہ کام کو اس کے صحیح وقت پر انجام دیا جائے۔ زمین میں بیج ڈالنے اور فصل کاٹنے کے موسم جدا جدا ہوتے ہیں۔ بیج کو اس کے موسم میں بونا چاہیے اور فصل کو اس کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے وقت پر کاٹنے کی توقع رکھنی چاہیے۔ اگر کوئی کام اس کے صحیح وقت پر انجام نہ دیا جائے تو اس میں صرف مشکلات ہی پیدا نہیں ہوتیں بلکہ نتائج کا حصول بھی ناممکن ہو جاتا ہے۔

حضرت شیخ الہند کے آثار علمیہ کی جمع و فراہمی کا ایک وقت تھا۔ یہ کام حضرت کی زندگی میں وقت کے ساتھ ساتھ انجام دیا جانا چاہیے تھا۔ لیکن یہ حضرت کی وفات کے فوراً بعد بھی نہیں کیا گیا بلکہ اس حادثۂ عظیمہ کے ۶۸ برس بعد توجہ کی جا رہی ہے۔ بلاشبہ ہمارے اخلاص اور عزم کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں ہے۔ لیکن یہ فصل کاٹنے کا وقت تو ہو سکتا تھا۔ بیج ڈالنے کا یہ وقت نہیں ہے۔ جن نسخہ ہائے وفا کی ہم تالیف کرنا چاہتے ہیں وقت کے حوادث نے پہلے ہی اس کے ایک ایک ورق کو نہ صرف منتشر بلکہ ضائع کر دیا ہے۔

۴۔ بعض اوقات آثار علمیہ کی فراہمی میں مخلصین کی بے جا عقیدت بھی مانع آتی ہے۔ کسی مخلص کے پاس کوئی اثر علمی موجود ہوتا ہے لیکن وہ اسے دینا تو درکنار، دکھانا بھی گوارا نہیں کرتا وہ اسے حرزِ جان بنا کر رکھتا ہے۔ اس کی جدائی کا تصور بھی اس کے قلب پر شاق گذرتا ہے لیکن بالآخر نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ ایک مدت کے بعد وہ اثر ضائع ہو جاتا ہے۔ یہ ممدوح سے بے جا عقیدت ہوتی ہے سچی عقیدت کا تقاضہ یہ ہونا چاہیے کہ اشاعت کا سرو سامان کر دیا جائے تاکہ وہ اثر محفوظ اور اُن کا فیضان عام ہو سکے۔

غرض کہ یہ اسباب ہیں جن کی وجہ سے حضرت شیخ الہند کے آثار علمیہ میں سے تھوڑا سا کلام، چند فتوے، تقریباً ڈھائی درجن خطوط تک ہماری رسائی ہو سکی۔

چوں کہ حضرت کے کلام کا مجموعہ الگ زیر ترتیب ہے۔ اس لئے اس کے متعلق اس مجموعے ہی میں اظہار خیال مناسب ہوگا۔ حضرت کی فتویٰ نویسی کے باب میں چند گذارشات اس کے متعلقہ باب میں کی جائیں گی۔ یہاں صرف حضرت کی خطوط نگاری اور اس کے خصائص کے بارے میں چند معروضات پیش کرنے پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

حضرت شیخ الہند کے مکاتیب پر نظر ڈالنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ ان کے موضوعات مختصر و محدود ہیں اور بعض میں پند و نصائح ہیں۔ بعض تعزیتی خطوط ہیں۔ اسارت مالٹا کے زمانے کے تمام خطوط خیریت طلبی اور اپنی اور رفقائے سجن کی خیریت کی اطلاع دہی کے مضامین میں ہیں۔ باوجودے کہ خود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وطن سے ہزاروں میل دور ہیں اور قید میں ہیں۔ لیکن متعلقین کو حالات پر صبر، رضائے الٰہی اور توکل علی اللہ کی تلقین فرماتے ہیں۔ یہاں اصغر حسین کے نام مکتوبِ گرامی اہم ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اب حضرت اپنی تعلیم و تربیت کے تاریخ اور جماعت کے اعضا و جوارح کو یکجا کرنا چاہتے ہیں تاکہ تحریک کے نئے دور کا آغاز کیا جا سکے۔ علامہ شبلی مرحوم کے نام خط تنظیم مدارس عربیہ کے سلسلے میں ہے اور مولانا عبدالباری فرنگی محلی کے نام مکتوب انجمن خدام کعبہ کے سلسلے میں ہے[1]۔ یہ نہایت اہم تاریخی خطوط ہیں۔

حضرت کے خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت کے قلب میں اسلامی ہمدردی اور رشتہ داروں سے محبت کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ ہر کسی کے غم میں شریک ہونے کا جذبہ دل میں موجزن تھا۔ کسی کی تکلیف یا دکھ کو سن کر حضرت بے قرار ہو جاتے تھے۔ بچوں سے کیسی محبت فرماتے تھے اور نوجوانوں کی بطریق نصیحت تعلیم و تربیت کا حضرت کو کتنا خیال تھا۔ عزیمت دعوت اور استقامت میں حضرت کے مقام کی بلندی کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔

حضرت علیہ الرحمۃ کے مکاتیبِ گرامی کی ایک خوبی جو قاری کی توجہ کو فوراً اپنی طرف مرکوز کر لیتی ہے وہ ہے حضرت کا کمال عجز و نہایت انکسار، تین معاصرین، علامہ شبلی نعمانی، مولانا عبدالباری فرنگی محلی اور حضرت رائے پوری کو چھوڑ کر تمام مکتوب الیہ حضرت کے شاگرد یا خرد ہیں۔ اور علم و فضل اور زندگی اور تقویٰ میں آپ سے ان کی نسبت خاک کی عالم پاک سے نسبت کی مصداق ہے۔ لیکن حضرت کے مکاتیب پر نظر ڈالیے اور اس میں کسی ایک مکتوب الیہ کے نام مکتوب کی تخصیص نہیں، تو معلوم ہوتا ہے کہ ذرۂ ناچیز مقدس مقتداؤں کے حضور عرض و معروض کر رہا ہے اور ان کی دعاؤں اور توجہات کا طالب ہے۔ نفی ذات کی کیسی مثال ہے۔ اگر نفی ذات ہی کی اور مشیخت کا اثبات ہے تو حضرت کے مقام کی عظمت اور بزرگی کے ثبوت کا اس سے بڑا اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔

خطوط کی زبان سادہ، برجستہ اور سلیس ہے دلی جذبات آسان لفظوں اور سادہ طریق سے بیان کر دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ عبارت کو مسجع و مقفیٰ بنانے سے احتراز برتا جاتا ہے خطوط کی سادگی و پُرکاری

---

[1] "انجمن خدام کعبہ۔ تاریخ اور مقاصد و خدمات" کے عنوان سے خاکسار کی ایک تالیف چھپ چکی ہے۔ حضرت شیخ الہند کا یہ مکتوب گرامی اس میں شامل ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہی ان کا اصل حسن ہے ۔

حضرت کے مکاتیب کے ادبی خصائص کے بارے میں میاں سید اصغر حسینؒ فرماتے ہیں :

" حضرت مولانا کی لفاظی اور متصوفانہ عبارت اور اظہار تصوف و بزرگی و مشیخیت سے خاص نفرت تھی جو کچھ تحریر فرماتے تھے بالکل سیدھے سادے طریقے سے اور معمولی الفاظ میں۔ لیکن ادنیٰ تامل سے معلوم ہو جائے گا کہ انھیں الفاظ میں کیسے معنی بے بہا اور مضامین بے نظیر ودیعت فرماتے ہیں"۔ [1]

حضرت کے برادرِ خرد حکیم محمد حسنؒ کے نام حضرت کا ایک خط عربی زبان میں بھی ہے اور اگرچہ یہ خط حضرت اور آپ کے رفقا کی خیریت کی اطلاع۔ اور اعزہ و اقربا کی خیریت طلبی، سلام و دعا کے مضمون میں ہے اس سے عربی زبان میں حضرت کے اسلوب کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا لیکن عربی میں ہونے کی وجہ سے ایک یادگار اور تاریخی خط بن گیا ہے ۔

خوش قسمتی سے حضرت کی دو قلمی تحریروں کے عکس بھی میسر آگئے ہیں ان کے مطالعے سے حضرت کی تحریر کا ایک اور پہلو نمایاں ہوتا ہے اور وہ ہے حضرت کا انداز کتابت یا املا اردو تحریر و کتابت کا انداز مختلف ادوار میں مختلف رہا ہے۔ آج کسی لفظ کا املا جس شکل میں ہمارے سامنے آتا ہے، یہ ضروری نہیں کہ وہ لفظ شروع ہی سے اس شکل میں لکھا جاتا ہو ۔

اردو کے بے شمار الفاظ ہیں جن کا املا شمال و جنوب میں یکساں نہ تھا۔ اس کے نشانات قدیم تحریروں میں بکثرت اور جدید دور کی تحریروں میں بھی خال خال نظر آجاتے ہیں۔ زبان کی ترقی کے ساتھ املا میں بھی یکسانیت پیدا ہوتی گئی۔ لیکن املا کے اصول و قواعد کی طرف پھر بھی توجہ نہ کی گئی تھی۔ پھر اصول وضع کیے گئے اور جنوب سے شمال تک اور مشرق و مغرب میں انھیں اختیار کر لینے کی تحریک پیدا ہوئی لیکن اگر پہلے کسی لفظ کا املا مختلف علاقوں میں مختلف تھا۔ تو اب املا کے اصول میں اختلاف ہے۔

مختلف عہدوں میں یا ایک عہد کے بعض افراد میں ایک اختلاف اور نظر آتا ہے۔ وہ یہ کہ عام پڑھے لکھے لوگوں اور عربی و فارسی زبان کے فضلا کے املا اور انداز کتابت میں فرق رہا ہے۔ الہلال میں

---

[1] حیاتِ شیخ الہند، ص ۲۶۴ ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

مولانا ابوالکلام آزاد نے املا کا ایک نیا انداز اختیار کیا تھا۔ جبکہ ٹھیک اسی دور میں اردو کے ادیبوں اور شاعروں نے دوسری روش اختیار کی تھی۔

سرسید اپنے عہد میں ایک مستثنیٰ شخصیت تھے جو عربی اور فارسی زبانوں سے واقفیت کے ساتھ اردو لسانیات کا بھی خاص ذوق رکھتے تھے ان کے بعد جو دور شروع ہوا جس کا سرا مولوی عبدالحق سے ملتا ہے، درحقیقت سرسید کے دوریا ان کی پیدا کردہ لسانی تحریک ہی کا ایک تتمہ یا ایک حصہ ہے۔

لیکن خواہ ایک دور کے املا کو بعد کے دور کے املا کے مقابلے میں رد کردیں لیکن ہر دور میں املا کا ایک معیار رہا ہے۔ ولی کے دور میں ولی کا املا، دکنی کا معیاری اور مستند املا تھا ۔ حاتم اور آبرو کے دور میں شمال میں انھیں بزرگوں کا املا معیاری تھا۔ غالب حالی اور سرسید کے دور میں ان بزرگوں کی تحریروں کا انداز کتابت اس عہد کا معیاری املا تھا، بعد کا دور مولوی عبدالحق مرحوم کا دور کہلایا۔ اگرچہ مستثنیات ہر دور میں رہیں۔

حضرت شیخ الہند کا دور ادبی اور لسانی لحاظ سے سرسید کا دور تھا اور اگرچہ یہ بات ثابت نہیں کہ حضرت کسی لحاظ سے بھی سرسید اور ان کی ادبی و لسانی تحریک سے متاثر تھے۔ حضرت کے ادبی و لسانی ذوق نے تحریر و کتابت سے اسی انداز کی طرف رہنمائی کی تھی۔ جو اس دور کا معیاری و مستند انداز تھا۔

وقت کی روش کے مطابق حضرت کی تحریر میں یائے معروف و مجہول میں اور ہائے ہوز (ہ) اور ہائے مخلوط (ھ) میں فرق نہیں ہے الفاظ کو ملا کر لکھنے کی روش عام ہے۔ اعراب بالحروف کا اہتمام کیا گیا ہے۔ بعض مواقع پر بعض الفاظ میں ہائے مخلوط کو تخفیف کردیا گیا ہے مثلاً تھو کے بجائے تو اور مجھ کے بجائے مج کو۔

اس زمانے میں اردو کا یہی معیاری املا اور کتابت کا یہی اسلوب عام تھا۔ آج کے دور میں یہ باتیں غیر معیاری اور اصول املا کے خلاف سمجھی جاتی ہیں لیکن اس زمانے میں غالب، سرسید، حالی و شبلی وغیرہ کی تحریروں کا عام انداز کتابت یہی رہا ہے۔

حضرت کی تحریر میں پیراگرافنگ کا بھی اہتمام نظر نہیں آیا۔ مطلب بدلتے رہتے ہیں لیکن عبارت

بقیہ صفحہ ۲۸ پر ملاحظہ فرمائیں

© rasailojaraid.com